© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

خرم مراد

ماہ اکتوبر میں آنے والے پانچ سالوں ۱۹۹۳ تا ۱۹۹۷ کے لیے جماعتِ اسلامی پاکستان کی مرکزی امارت کے انتخابات مکمل ہو گئے۔ دستورِ جماعت میں طے کردہ طریقِ کار کے مطابق' پاکستان بھر کے ۸۶۱۷ ارکان جماعت میں سے ۹۶ فیصد ارکان نے خفیہ بیلٹ کے ذریعے ان انتخابات میں اپنا ووٹ دیا۔ مجلسِ شوریٰ کے مقرر کردہ ناظمِ انتخابات کے اعلان کے مطابق' رائے دینے والے ارکان کی ایک بہت بڑی تعداد نے' یعنی ۷۷ فیصد ارکان نے' ایک دفعہ پھر' حالیہ امیر محترم قاضی حسین احمد کو امیرِ جماعت اسلامی پاکستان منتخب کرلیا ہے' اور اس طرح نظمِ جماعت اور تحریک کو چلانے کی آخری ذمہ داری کی امانت کا بارِ عظیم ان کے سپرد کردیا ہے۔ فرد اور شخصیت کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں' لیکن اصل اہمیت تو مشن' تحریک' نظمِ جماعت اور منصب کی ہے۔ اس لحاظ سے جماعت نے اس انتخاب کے ذریعے اپنی زندگی کے سب سے اہم معاملے میں' جس قدر مکمل یک سوئی کا مظاہرہ کیا ہے' وہ جماعت کے تمام وابستگان اور بہی خواہوں کے لیے بڑے اطمینان کا باعث ہوا ہے۔ خصوصاً اس لیے کہ ان انتخابات کے موقع پر جماعت کی تاریخ میں پہلی مرتبہ بیرونی مداخلتوں اور اندرونی کمزوریوں اور فتنوں نے نتائج پر اثر انداز ہونے کی پوری کوشش کی تھی۔ فرد تو کوئی بھی منتخب ہوسکتا تھا' اور فرد آتے جاتے رہیں گے' اور جماعت اپنے ہر امیر کے ساتھ بیک وقت اطاعت فی المعروف و محبت' اختلاف' تنقید اور احتساب کی روش پر بھی انشاء اللہ ہمیشہ قائم رہے گی' لیکن جس منصب کے اوپر' دستورِ جماعت نے' نظمِ جماعت اور تحریک کو چلانے کی آخری ذمہ داری ڈالی ہے' اس کے مقام' وقار' اعتماد اور اختیار کا برقرار رہنا اور رکھنا بڑا اہم اور ناگزیر تھا' اور ہمیشہ رہے گا۔ فللّٰہ الحمد علیٰ ذالک۔

ارکانِ جماعت دستور کی رو سے اس امر کے پابند تھے کہ وہ امیرِ جماعت کے انتخاب میں

© rasailojaraid.com

جس کے حق میں بھی رائے دیں گے، دستورِ جماعت کی دفعہ ۱۳ میں متعین کردہ اوصاف کو مدنظر رکھیں گے۔ ناظمِ انتخاب نے، جیسا کہ قواعد و ضوابط کی رو سے ان کا فرض تھا، بیلٹ پیپر جاری کرنے کے ساتھ ساتھ ہر رکن ووٹر کو ان اوصاف کو مدنظر رکھنے کی یاددہانی تحریری طور پر کردی تھی۔ اگرچہ، مرکزی مجلسِ شوریٰ نے، ارکان کی رہنمائی کے لیے، خفیہ بیلٹ کے ذریعے، تین ارکان کے نام بیلٹ پیپر پر درج کرا دیے تھے، جیسا کہ ۱۹۷۲ سے ایسا کیا جانا شروع ہوا ہے، لیکن نہ اس اندراج کی حیثیت سفارش کی تھی اور نہ یہ تین ارکان خود امیدوار تھے کہ ان کے درمیان کوئی مقابلہ ہو، بلکہ ہر رکن آزاد تھا، اور حقیقت میں یہ اس کا فرض تھا، کہ وہ دفعہ ۱۳ میں درج کردہ صفات کے مطابق جس رکنِ جماعت پر اعتماد رکھتا ہو کہ وہ امیرِ جماعت کی ذمہ داری سنبھالنے کا، یعنی نظم اور تحریک چلانے کا، سب سے زیادہ اہل ہے، اس کے حق میں اپنی رائے دے۔ اس لیے، اگرچہ لغزش اور خطا سے تو کوئی انسان مبرّا نہیں ہو سکتا، لیکن ہمیں اس بات میں شک کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ بالعموم ارکانِ جماعت نے دفعہ ۱۳ میں درج کردہ اوصاف کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی اس انتخاب میں اپنا امیر منتخب کیا ہے۔

دفعہ ۱۳ (۱) کے مطابق، انہوں نے جس کے حق میں بھی رائے دی، ان کے علم و ضمیر کی حد تک، ان کی رائے میں نہ وہ خود امارت کا امیدوار تھا اور نہ اس سے کوئی ایسی بات ظہور میں آئی جو یہ پتہ دیتی ہو کہ وہ امارت کا خود خواہش مند ہے یا اس کے لیے کوشاں ہے۔ ہمارے ان تینوں محترم ارکان کے بارے میں، جن کے نام بیلٹ پیپر پر برائے رہنمائی درج تھے، سب ہی جانتے ہیں کہ پوری مدتِ انتخاب میں وہ اپنے اپنے فرائضِ منصبی کی انجام دہی میں لگے رہے، اور ان میں سے کسی کی طرف سے شمہ برابر بھی کوئی ایسی بات ظہور میں نہ آئی جسے خواہش یا کوشش کا نام دیا جا سکے، بلکہ جو کچھ ظہور میں آیا وہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ نو منتخب امیرِ جماعت خود، کیوں کہ وہ امیرِ وقت بھی تھے، ساری مدت اپنے معمول کے مطابق عوام میں دعوت پھیلانے، سیلاب زدہ لوگوں کو مدد اور تسلی دینے، اور اپنے ساتھیوں کے سینوں میں حوصلے اور امید کے چراغ روشن کرنے میں مصروف رہے۔ آج کے دور میں جماعت جیسی قوت کی قیادت سے وہ لوگ، اس طرح بے نیاز ہوں جو بغیر کسی کوشش اور خرچ کے اس کے قائد منتخب ہو سکتے ہوں، تعجب خیز بھی ہے اور اطمینان بخش بھی۔ فللّٰہ الحمد علیٰ ذالک۔

دفعہ ۱۳ (۲) میں درج کردہ تمام اوصاف کسی شخص میں بھی بدرجۂ اتم یا بہ معیارِ مطلوب نہیں پائے جا سکتے، نہ منتخب شدہ امیر میں ایسا ہونا ضروری ہے۔ نہ یہ ضروری ہے کہ سارے کے

© rasailojaraid.com

سارے اوصاف کسی ایک شخص میں جمع ہو جائیں۔ اسی طرح کسی شخص کے حق میں رائے نہ دینا' خواہ وہ مجلسِ شوریٰ کے تجویز کردہ تین ناموں میں سے ہو یا کوئی اور رکنِ جماعت' ہرگز اس بات کی علامت نہیں کہ رائے دہندہ کے نزدیک وہ شخص ان اوصاف سے خالی ہے' یا اسے ان اوصاف کے لحاظ سے اس پر اعتماد نہیں ہے۔ لیکن جب ارکانِ جماعت کثرتِ رائے سے اپنے میں سے کسی فرد کو امیرِ جماعت منتخب کرتے ہیں تو وہ اس بات کا اظہار ضرور کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک منتخب کردہ امیر' دفعہ ۱۳ (۲) کے مطابق' اپنے تقویٰ' علمِ کتاب و سنت' امانت و دیانت' دینی بصیرت' تحریکِ اسلامی کے فہم' اصابتِ رائے' تدبر' قوتِ فیصلہ' راہِ خدا میں ثبات و استقامت اور نظمِ جماعت کو چلانے کی اہلیت میں' مجموعی طور پر اور نسبتاً" سب سے زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔ فللّٰہ الحمد علیٰ ذالک۔

ارکانِ جماعت کا یہ اعتماد ہی امیرِ جماعت کے لیے' نصرتِ الٰہی کے بعد' اس کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے' اور یہی اس کی اور جماعت کی قوت کا اصل خزینہ ہے۔ ہر لحہ اور ہر قسم کے حالات میں اسے اپنے اس سرمایہ اور قوت کی نگہداشت اور حفاظت کرنا چاہیے' اس کو کسی صورت ضائع نہ ہونے دینا چاہیے' اس میں مسلسل اضافہ کی کوشش میں لگا رہنا چاہیے' اور ارکان کے اس اعتماد پر پورا اترنے کے لیے بھی ہر وقت کوشاں رہنا چاہیے۔ یہ اعتماد اس کا سرمایہ اور قوت ہی نہیں' اس کے لیے ایک کڑی آزمائش اور بھاری بوجھ بھی ہے۔ اس اعتماد پر پورا اترنے کے لیے' وہ وابستگانِ جماعت اور خلقِ خدا ہی کے سامنے نہیں' بلکہ خود خدا کے سامنے' دنیا اور آخرت دونوں جگہ' جواب دہ ہے۔ ارکانِ جماعت نے اپنے حسنِ ظن اور علم پر بھروسہ کرکے جن اوصاف کے بارے میں اس پر اعتماد کیا ہے کہ وہ اس میں پائے جاتے ہیں اور اسے اپنا امیر منتخب کیا ہے' ان کا ادنیٰ سا احساس بھی کافی ہے کہ اس کا دل کپکپا اٹھے اور اس کا وجود لرز اٹھے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ امیرِ جماعت کو ان مطلوبہ اوصاف سے زیادہ سے زیادہ آراستہ کرے' اور معیارِ مطلوب کے پیمانہ سے جہاں اور جتنی کمی یا خرابی پائی جاتی ہو اسے زیادہ سے زیادہ دور کرے۔ ہماری یہ دعا بھی ہے کہ وہ انھیں ارکانِ جماعت کی اتنی بھاری اکثریت کے حسنِ ظن اور اعتماد کے مطابق بننے اور اس پر پورا اترنے کی توفیق عطا فرمائے' اور انھیں بالآخر اپنی بارگاہ میں سرخ رو کرے۔ آمین

جماعتِ اسلامی میں' امارت کے انتخابات کا معاملہ' حالیہ انتخابات سے پہلے تک' کلیتاً" اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا اندرونی معاملہ رہا ہے۔ ایک مدت ختم ہوتی تھی' خاموشی سے انتخاب کا عمل حرکت میں آتا تھا' ملک کے طول و عرض سے ارکان انتخاب میں حصہ لیتے تھے' ناظمِ انتخاب نتیجہ کا اعلان کرتا تھا' اور ارکان جسے امیرِ جماعت منتخب کرتے تھے وہ نئی مدت کے لیے حلف امارت اٹھا لیتا تھا۔

حالیہ انتخاب میں صورت حال بہت مختلف رہی۔ یہ انتخاب ملک بھر میں گفتگوؤں اور اخباری سرخیوں' خبروں' کالموں اور تجزیوں کا موضوع بنا رہا۔ جماعت کے اندر ہونے والے خالص تنظیمی امور کو برسرعام بیان کیا گیا' اور کرایا گیا' اور ان کو زیرِبحث لایا گیا۔ مشہور و معروف کالم نویسوں نے مجلسِ شوریٰ کے تجویز کردہ ناموں کو' امیدوار متصوّر کرتے ہوئے' ان کے درمیان موازنے کیے' ایک یا دوسرے کے حق میں یا خلاف رائے دی' اور ان کی فتح یا شکست کی پیشین گوئیاں کیں۔ ملک کے وزیراعظم کے دل میں بھی یہ خواہش مچلتی رہی کہ وہ جماعت کی مجلسِ شوریٰ سے براہِ راست خطاب کرکے اسے اس کے امیر کے خلاف اپنا ہم نوا بنائیں۔ ایک پڑوسی ملک کے عارضی صدر نے بھی' جو ہمیں اپنی دعوت و جہاد کی سرگرمیوں کی وجہ سے محبوب رہے ہیں اور جو ایک طویل عرصے تک ہمارے ملک ہی کے نہیں بلکہ ہمارے بھی خصوصی مہمان رہے ہیں اور جن کے اکرام' خدمت اور نصرت و مساعدت میں ہم نے اپنی حد تک کوئی کسرنہ اٹھا رکھی' یہ ضروری سمجھا کہ وہ پاکستان کے ایوانِ صدر میں بیٹھ کر یہ اعلان کریں کہ اگر جماعت نے فلاں شخص کو امیر منتخب کرلیا تو پھر ان کے ساتھ تعلق ٹھیک رہنا مشکل ہوگا۔ ایک اور اہم مسلمان ملک کے ذمہ داروں نے صاف صاف یہ بات کہی کہ جماعت کو بچانے کے لیے فلاں شخص کو ہر قیمت پر امیر منتخب ہونے سے روکنا ضروری ہے۔ کچھ خفیہ اور حساس اداروں کی دلچسپی کے تذکرے بھی ہوتے رہے۔ بعض یگانگت کے لبادوں میں ملبوس "خیرخواہ" بھی ہر ممکن طریقے سے اپنے کالموں میں "جماعت بچاؤ" کی مہم چلاتے رہے۔ اندر کے بعض افراد بھی اختلاف و احتساب کے آداب و حدود سے تجاوز کرگئے' یا انہوں نے خود کو ایسا کرنے پر مجبور سمجھ لیا۔

اس بات سے قطع نظر کہ ان ساری مہمات کے باوجود ۷۷ فیصد ارکان ایک رائے پر یک سُو ہوگئے' اس صورت حال کے بعض پہلوؤں پر گفتگو کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے۔ جماعت کے اندر اس موقع پر جو کچھ ہوا اس کا ذکر تو ہم بعد میں کریں گے' پہلے جو کچھ باہر ہوا' اس کے بارے میں چند باتیں سامنے رکھنا چاہتے ہیں۔

اتنی دلچسپی کیوں لی گئی؟ جماعت اسلامی ایک پبلک جماعت ہے۔ وہ عام لوگوں کو مخاطب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر رہی ہے، وہ معاشرہ کو اسلامی بنانے کی ایک تحریک ہے، وہ ایک سیاسی جماعت بھی ہے، وہ انتخابات میں بھی حصہ لیتی ہے، یہ امکان بھی ہے کہ وہ کبھی حکومت میں شریک ہو یا خود حکومت چلائے۔ اس لیے اس کے معاملات میں، اور خصوصاً اس معاملے میں کہ جماعت کو کون چلائے، پریس اور پبلک اور اندرونی و بیرونی طاقتوں کی دلچسپی بالکل فطری ہے۔

اِدھر، اس سے قبل، بانیٔ جماعت خود امیرِ جماعت تھے، یا ان کی مقرر کردہ شخصیت اس منصب پر فائز رہی۔ اُدھر ملک، شکست و ریخت کے بعد، مسٹر بھٹو کے بحرانی اور جمہوری آمریت کے دور سے گزرتا رہا، یا مارشل لا کا طویل دور اس پر مسلط رہا۔ اتفاق سے، اِدھر جماعت نے ایک نیا امیر منتخب کیا، اُدھر حادثۂ بہاولپور نے مارشل لا کے دور کو فی الواقع ختم کردیا، اور ملک پانچ ہی سال کے عرصے میں دو ملک گیر انتخابات سے گزر گیا۔ ان انتخابات میں اگر جماعت ''اسلامی جمہوری اتحاد'' میں شریک نہ ہوتی تو ملک کا سیاسی نقشہ کچھ اور ہی ہوتا، اس بات سے انکار کی جرات وہ بھی نہیں کرسکتے جو ملک میں کھلے اور چھپے برسرِاقتدار ہیں۔ پھر نئے امیر نے، اپنے پیش روؤں کی چالیس سالہ محنت سے قائم کردہ بنیادوں ہی پر، اور ان کی فکر اور پالیسیوں کے تسلسل ہی میں، ملک کے کونے کونے میں جماعت کی دعوت اور کام کو پھیلانا شروع کردیا۔ انہوں نے جماعت کے دستوری طریقِ کار کے منطقی تقاضے کے طور پر اس کے اندر عوامی تحریک برپا کرنے کی صلاحیت میں بھی اضافہ کرنا شروع کردیا۔ اصولوں کو بدلے بغیر نئی نئی تدابیر بھی اختیار کیں۔ یہ کوئی ان ہی کا کارنامہ نہیں تھا، لیکن بہرحال یہ حقیقت ہے کہ ۱۹۸۹ میں جماعت کے کل پاکستان اجتماع میں تقریباً ۷۰ ہزار افراد شریک ہوئے، جبکہ ۱۹۸۳ میں یہ تعداد تقریباً ۷ ہزار تھی۔

دوسری طرف، ان پانچ سالوں میں، بین الاقوامی سطح پر بھی انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ جہادِ افغانستان نے روس کی سپرپاور کو پسپائی پر مجبور کردیا، وہ شکست و ریخت کا شکار ہوگیا، اور کمیونزم اور کمیونسٹ پارٹی بھی بظاہر ختم ہوگئی۔ جس جس پر بھی روشن، باطنِ ایام تھا وہ جان گیا کہ ''فتنہ فردا، مزدکیت نہیں، اسلام ہے''۔ دنیا کی امام مغربی تہذیب نے یہ سمجھ لیا کہ مستقبل کا حریف، یعنی امامتِ عالم کا امیدوار، اسلام اور امتِ مسلمہ ہے، اور اس امکان کو حقیقت بنانے کا اندیشہ اگر کسی سے ہے تو وہ جماعتِ اسلامی کی طرح کی ''بنیاد پرست'' اسلامی تحریکات سے ہے۔ قوت، استعداد اور صلاحیت کے لحاظ سے ابھی بہت کمزور اور کم مایہ سہی، لیکن ''دگر بہ کشتن روزِ اوّل'' کی افادیت اپنی جگہ۔

اس مرتبہ پریس اور پبلک نے، اور اندرونی و بیرونی طاقتوں نے امیرِ جماعت کے انتخاب میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اگر پہلی بار وہ دلچسپی لی جو ویسے بھی فطری تھی، اور غیر معمولی طور پر لی، تو اس کی بڑی وجہ وہ حالات ہیں جو ہم نے اوپر بیان کیے ہیں۔ یہ دلچسپی فطری ہی نہیں، بلکہ بالکل بجا ہے۔ یہ دلچسپی آئندہ بھی لی جاتی رہے گی، اور اگر جماعت خود ہی اپنا مقام نہ کھو بیٹھے تو بڑھتی ہی جائے گی۔ جماعت کو اس پر نہ تعجب ہونا چاہیے، نہ اعتراض، نہ تشویش؛ ہاں، اس کو یہ مطالبہ کرنے کا پورا حق ہے کہ اس دلچسپی میں، اگر کسی کو گرانا یا اٹھانا بھی مقصود ہو اور اس کی تہہ میں کسی فرد یا پوری جماعت کے لیے ناپسندیدگی، مخاصمت یا عداوت بھی موجود ہو، تب بھی، تحقیق، صحیح علم، دیانت اور معروضیت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا جانا چاہیے۔ اگر یہ تقاضے ملحوظ نہ رکھے گئے تو بھی ہم یہ حسنِ ظن رکھتے ہیں کہ زیادہ تر اس کی وجہ دانستہ شرارت نہ رہی ہوگی، بلکہ لاعلمی، تحقیق سے گریز اور سنسنی خیزی کی خواہش رہی ہوگی۔ پھر، جماعت کا نظم اور طریقِ انتخاب منفرد نوعیت کے ہیں، لیکن انسانی ذہن، فہم کی سہولت اور کاہلی کی وجہ سے، ہر چیز کو اسی سانچہ میں ڈھال کر سمجھتا اور بیان کرتا ہے جس سے وہ واقف ہے۔ کیونکہ دلچسپی لینے والے پارٹی سسٹم اور انتخابات کے اسی ماڈل سے واقف تھے جو ملک میں رائج ہے، اس لیے بھی شاید انھوں نے جماعت کے نظم اور انتخابات کو جتھہ بندی، امیدواری، اور فتح و شکست کی رائج تعبیرات کے سانچے میں ڈھال دیا، اور صحیح صورتِ حال معلوم کر لینے کی کوئی زحمت نہ اٹھائی۔

جماعتِ اسلامی اس ملک کی وہ واحد جماعت ہے جس کا نظام مکمل طور پر دستوری اور جمہوری ہے۔ یہاں روزِ اوّل سے تمام مناصب کے لیے، دستور کے مطابق، باقاعدگی سے انتخابات ہوتے ہیں۔ لیکن جماعت میں نہ جتھہ بندی ہے، نہ امیدواری، نہ کنویسنگ، نہ فتح و شکست، بلکہ منصب کی خواہش اور اس کے حصول کی کوشش اگر ظاہر ہو جائے تو آدمی منصب کے لیے نااہل قرار پاتا ہے۔ ۱۹۷۲ کے بعد سے صرف مرکزی اور صوبائی امارت کے لیے متعلقہ شوریٰ، خفیہ رائے دہی کے ذریعے بیلٹ پیپر پر، صرف رہنمائی کے لیے، تین نام درج کرتی ہے۔ مگر ہر رکن اپنے بیلٹ پر اس شخص کے حق میں رائے دیتا ہے جس کو وہ اپنے علم و ضمیر کے مطابق متعلقہ منصب کے لیے اہل تر سمجھتا ہے۔ تمام انتخابات کا نتیجہ کثرتِ رائے پر منحصر ہوتا ہے۔ یہ دعویٰ کوئی انسانی جماعت نہیں کر سکتی کہ اس کے اندر کبھی کوئی خامی، کوتاہی، یا اصول کی خلاف ورزی وقوع پذیر نہیں ہوتی۔ لیکن یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ایسے واقعات شاذ ہیں، اور بالعموم جماعت اپنے دستور اور نظام پر کاربند رہی ہے۔

اس لحاظ سے، اس نوعیت کی سرخیوں اور تجزیوں کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہ تھا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"تین امیدواروں کے درمیان مقابلہ ہو رہا ہے" ' "اصل مقابلہ دو امیدواروں کے درمیان ہے" "قاضی حسین احمد نے ایک بار پھر مولانا جان محمد عباسی اور پروفیسر خورشید احمد کو شکست دے دی" وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح' کیوں کہ ہر ووٹ اہل تر آدمی کے حق میں ہوتا ہے' اور فیصلے کثرتِ رائے سے ہوتے ہیں' اس لیے اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ آراء کی تعداد سے یہ ظاہر ہو کہ کون سا منتخب امیر متنازع ہے اور کون متفق علیہ۔ اگر "الف" کو ۵ ہزار ووٹ ملتے ہیں' "ب" کو ایک ہزار' "ج" کو ۵ سو ' "د" کو ۵۰ ' تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ۵ ہزار ارکان بقیہ تین پر عدم اعتماد کا اظہار کر رہے ہیں' یا ۱۵۵۰ ارکان "الف" کو نااہل سمجھتے ہیں۔ چند افراد ایسا سمجھ کر بھی ووٹ دے سکتے ہیں' لیکن بالعموم اس کے معنی اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ ۵ ہزار ارکان دفعہ ۱۳ میں مطلوبہ صفات کے درمیان وزن و موازنہ کرکے (جن میں علم و تقویٰ بھی شامل ہے اور جماعت کو چلانے کی اہلیت بھی) اس رائے تک پہنچے ہیں کہ "الف" پر نسبتاً زیادہ اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ انتخاب' جماعت میں اعتماد اور عدم اعتماد کے لیے اکھاڑہ نہیں ہے۔ اس مقصد کے لیے دستورِ جماعت نے مرکزی مجلس شوریٰ کو اختیار دیا ہے' اور وہ امیرِ جماعت کو اس کے منصب سے معزول کرسکتی ہے۔ کوئی امیرِ جماعت ۹۸ فیصد ووٹوں سے منتخب ہو یا ۴۹ فیصد ووٹوں سے ' وہ یکساں طور پر جماعت کی اطاعت' خیرخواہی' اور (اگر اختیار سے باہر نہ ہو) تو محبت کا مستحق ہوتا ہے' مقدار کم و بیش ہوسکتی ہے۔

جماعت میں جتھہ بندی کی بھی کوئی گنجائش نہیں' اگرچہ انسانی فطرت کے لحاظ سے یہ ہوسکتا ہے کہ کسی کا جھکاؤ ایک طرف ہو اور کسی کا دوسری طرف۔ اس لیے یہ سمجھنا کہ زید "الف" کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے' اور عمر "ب" کا وفادار ہے' ایک بے معنی بات ہے۔ جماعت میں اختلاف' تنقید اور محاسبہ کی شاندار روایات موجود ہیں۔ ایسا بالعموم ہوتا ہے کہ ایک مسئلے پر زید "الف" کا ہم نوا ہے یا اس پر تنقید کررہا ہے' تو دوسرے مسئلے پر وہ "ب" کا ہم نوا ہے یا اس کا احتساب کررہا ہے۔ جب پالیسی سازی کے مرحلے پر بحث ہوتی ہے تو لوگ کھل کر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔ جب فیصلہ ہوجاتا ہے' تو اس کے بعد بھی ہر شخص کو اپنے اختلاف پر قائم رہنے کا حق رہتا ہے' اور متعلقہ مجلس میں فیصلہ کو بدلوانے کی کوشش کا حق بھی۔ ہاں' دستورِ جماعت کی رو سے اسے' کسی غیر متعلقہ مجلس میں' یا پریس اور پبلک میں' اپنا اختلاف ظاہر کرنے کا حق نہیں ہوتا۔ یہ پابندی بھی منصوص نہیں' بلکہ جماعت نے اپنے نظم کے لیے طے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرر کھی ہے۔ لیکن جس نے جماعت کے دستور کی پابندی کا حلف اٹھایا ہے۔ وہ' اپنے حلف کی وجہ سے' شرعاً'' اس کی اطاعت کا پابند ہے۔ اسی بات کو محترم نعیم صدیقی نے ایک مخصوص تناظر میں یوں واضح کیا ہے :

[میاں طفیل محمد صاحب اور محترم پروفیسر غفور احمد صاحب کے] یہ اختلافات تو اتفاقاً'' اور غیر متوقع طور پر سامنے آگئے' ورنہ پالیسی طے کرتے ہوئے جو بحثیں ہوتی ہیں' اگر کہیں وہ سامنے آجایا کریں تو میرا خیال ہے کہ ہر صبح اور ہر شام اپنے' بیگانے انتظار کریں کہ جماعت کی شکست و ریخت ابھی ہونے والی ہے۔ . . .

یہ اختلافات جماعت کی اندرونی زندگی میں جمہوری کردار کے مظہر ہیں۔ بلاشبہ مقررہ سطح پر اور مقررہ دائرے میں ہمارا جمہوری کردار بڑے سے بڑے اختلافات کو گوارا کرتا ہے' مگر ہمارا دستور اس کی اجازت نہیں دیتا کہ درونِ ایوان کی بحثیں اور اختلافی آراء کو باہر لے جایا جائے۔ یہ جماعت کے جمہوری کردار سے تجاوز ہے اور ہماری کمزوری ہے۔ (تحریکی شعور' ۱۹۸۹ء ص ۴۹ ـ ۳۴۸)

ووٹوں کی گنتی کے بارے میں' کہ کس کو کتنے ووٹ مل رہے ہیں یا ملے ہیں' ساری خبریں من گھڑت اور بے بنیاد تھیں۔ اس سے پہلے کہ ناظمِ انتخاب گنتی شروع کرتے' یا مکمل کر کے نتائج قیم جماعت کے حوالے کرتے' اس قسم کی خبریں شائع کرنا شروع کر دیا گیا۔ اسی طرح کبھی باہمی اختلافات کو انتہائی شدت تک پہنچا کر پیش کیا گیا۔ کبھی مصالحت اور مداخلت کے ذریعے معاملات طے ہو جانے کی ''خوشخبری'' گھڑ کر' ''الف'' یا ''ب'' کے منتخب ہونے کے امکانات روشن ہو جانے کی نوید سنائی گئی۔ حالانکہ جس وقت یہ خبریں شائع ہوئیں اس وقت تک یا تو ووٹنگ ختم ہو چکی تھی' یا ۸۰ ـ ۷۰ فیصد ووٹ ڈالے جا چکے تھے اور اگر کوئی مصالحت' خبر گھڑنے والوں کی اصطلاح میں' ہو بھی جاتی تو اس سے ملک کے طول و عرض میں ووٹ دینے والے ۷ ہزار سے زائد ارکان کو کیسے باخبر کیا جا سکتا تھا' اور ان کی رائے کیسے بدلی جا سکتی تھی ؟

یہ بھی کہا گیا کہ موجودہ امیرِ جماعت کے دور میں کثرت سے ارکان بنائے گئے ہیں' اور وہ انہی ارکان کے بل پر دوبارہ امیرِ جماعت منتخب ہوں گے۔ یہ بات جماعت میں طریقِ رکن سازی سے مکمل ناواقفیت یا دانستہ شرانگیزی پر مبنی ہے۔ دستور کی رو سے رکن بنانے کا اختیار امیرِ جماعت کو ضرور حاصل ہے' لیکن اب یہ اختیار امرائے اضلاع کو تفویض کیا جا چکا ہے' اور وہی اپنی اپنی مجلسِ شوریٰ کے مشورے سے رکن سازی کرتے ہیں۔ لیکن دیکھا جائے تو عملاً رکن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنانے کا اختیار ان کے پاس بھی نہیں۔ رکن بنانے کا عمل تو ہر مقام سے شروع ہوتا ہے۔ جب تک مقام کسی کو رکن بنانے کی سفارش نہ کرے' ناظمِ ضلع اس پر کوئی کارروائی نہیں کرسکتا' اس لیے کہ درخواست اس کے پاس ہوتی ہی نہیں۔ وہ کسی کو رکن بننے سے روک تو سکتا ہے' لیکن از خود بالعموم کسی کو رکن بنا نہیں سکتا۔ اب یہ کس امیرِ جماعت کے بس میں ہو سکتا ہے' اگر وہ چاہے بھی تو' کہ وہ ہزاروں مقامات سے اپنی مرضی کے رکن بنوالے۔ پھر' ظاہر ہے کہ کام میں وسعت کے ساتھ ارکانِ جماعت کی تعداد میں اضافہ کی شرح بڑھتی جائے گی۔ سیّد مودودیؒ کے تیس سالہ دور کے اختتام پر ۱۹۷۲ء میں ارکان کی تعداد ۲۶۹۱ تھی' محترم میاں طفیل محمد کے ۱۵ سالہ دور کے اختتام پر یہ تعداد ۵۵۲۵ تھی' یعنی ۱۰۵ فیصد اضافہ ہوا۔ گزشتہ ۵ سالوں میں ۲۳۳۶ ارکان کا اضافہ ہوا' یعنی ۴۲ فیصد۔

آخر میں ایک بات یہ بھی سنی گئی کہ جماعت میں کوئی امیر نہ آج تک ہارا ہے' نہ ہار سکتا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ واقعتاً صحیح بھی ہو' مگر کلمۃ حق ارید بھا الباطل کی مصداق ہے۔ یہ منتخب امیر کو بے اثر کرنے کی اور اس کے انتخاب کو مجروح کرنے کی ایک کوشش محسوس ہوتی ہے (جو انشاء اللہ العزیز ناکام ہوگی)' لیکن اس کی زد منصبِ امارت پر پڑتی ہے' اور دور دور تک پہنچتی ہے۔ افراد تو آتے جاتے رہیں گے' منصب کا وقار و مقام افراد سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ پھر یہ بات تو سیّد مودودیؒ اور محترم میاں طفیل محمد جیسے امرا کے اوپر بھی صادق آئے گی۔ ویسے غور کیا جائے تو کس ملک میں' کس پارٹی میں' کس حکومتی نظام میں' عام حالات میں سربراہِ کار کو انتخاب میں ہٹایا جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں تو پارٹیوں کے سربراہ موروثی جاگیرداروں کی طرح قابض رہتے ہیں یا محلاتی سازشوں کے ذریعے بنتے ہیں' اور حکومتی سربراہ یا تو برطرف کیے جاتے ہیں یا قتل۔ برطانیہ میں بھی پارٹی کے سربراہ خود ہی اپنا عہدہ چھوڑتے ہیں' تو نئے سربراہ آتے ہیں۔ امریکہ کے صدارتی انتخاب میں' جہاں باقاعدہ مقابلہ ہوتا ہے اور کینوسنگ ہوتی ہے' جس صدر نے دوبارہ منتخب ہونا چاہا وہ ہوگیا' سوائے دو تین دفعہ کے کہ جب غیر معمولی مخالف حالات پیدا ہوگئے تھے۔ اسی لیے انہوں نے ۱۹۴۰ء کے بعد اپنے دستور میں ترمیم کرکے یہ طے کیا کہ کوئی شخص دو میعادوں کے بعد صدر منتخب نہیں ہوسکتا۔

جیسا ہم نے عرض کیا' جماعت باہر والوں پر کوئی قدغن نہیں لگا سکتی کہ وہ اس کے امیر کے انتخاب میں دلچسپی نہ لیں' اظہار رائے نہ کریں' خبریں نہ شائع کریں۔ اگر لگا سکتی ہوتی' تو جب بھی اس کا ایسا کرنا بجا نہ ہوتا۔ اپنے نظم کی حفاظت اس کا اپنا کام ہے' باہر والوں کا دردِ سر نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ لیکن جیسا ہم نے اوپر واضح کیا ہے' یہ ساری دلچسپی' صحافیانہ ضابطہ' اخلاق اور دیانت پر مبنی نہ تھی۔ آئندہ کے لیے ہماری درخواست یہی ہے کہ آپ دلچسپی ضرور لیں' لیکن تحقیق و دیانت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔

اس دلچسپی میں حصہ لینے والوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو جماعت کے نظم میں نہیں ہیں' اس کے پابند بھی نہیں ہیں' لیکن جماعت کے لوگ ان کو "اپنا" ہی تصور کرتے ہیں۔ ان کے بھی حقِ مداخلت پر نہ اعتراض ہو سکتا ہے' نہ شکایت۔ ان میں سے اکثر' نظم باہر ہونے کے باوجود' جادۂ حق و اعتدال پر قائم رہے۔ لیکن کچھ نے شروع ہی سے دوسرے انداز و اطوار اختیار کیے۔ انھوں نے کسی کے خلاف اور کسی کے حق میں ایک مہم کا آغاز کر دیا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ مہم بدنیتی اور ارادتاً" شر انگیزی پر مبنی تھی۔ اس لیے کہ دلوں کا حال تو علیم بذات الصدور ہی جانتا ہے۔ لیکن ہم یہ جانتے ہیں کہ اس مہم میں انھوں نے نہ غلط بیانی اور جھوٹ سے اجتناب کیا' نہ اتہام و افترا سے۔ انھوں نے جماعت میں دراڑ ڈالنے' افتراق و انتشار پیدا کرنے' اس کی قیادت کو مجروح کرنے' اس کو بے اثر بنانے کے لیے کسی کارروائی سے دریغ نہ کیا۔ ہر طرح کی چیزیں شائع کیں' ہر قسم کی سرخیاں لگائیں۔ ایک بات متن میں کچھ ہوتی تھی' سرخی میں کچھ اور بن جاتی تھی۔ ان سے بھی ہمیں کوئی شکایت نہیں۔ اس لیے کہ ایسے لوگ ہر زمانہ میں پائے جاتے ہیں جو جماعت سے باہر رہ کر' اور نظم کی کوئی پابندی قبول کیے بغیر' اس بات کے خواہاں ہوتے ہیں کہ جماعت ان کے پیچھے چلے' فیصلے ان کی رائے کے مطابق ہوں' ان کی آواز' گلے یا قلم کے زور پر' سب سے مقدم رہے' سب سے ارفع رہے۔ ان کے بارے میں ہماری اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ وہ ان کو خود اپنے بارے میں سوچنے کی توفیق دے' یہ سمجھتے ہوئے کہ استغفار اور توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہوا ہے۔ جماعت کے رفقا سے ہم اتنا ہی کہیں گے کہ وہ کسی مسلمان بھائی سے کینہ نہ رکھیں' برائی کا جواب بھلائی سے دیں' جو کچھ ضروری سمجھیں وہ پڑھیں اور سنیں' لیکن دل کا تعلق قائم کرتے ہوئے اور کسی کے پیچھے چلتے ہوئے پرائے کو اپنا نہ سمجھ لیں' نہ اپنے کو پرایا' ورنہ وہ دھوکہ کھائیں گے اور نقصان اٹھائیں گے۔

جب باہر سے مہم چلی' کذاب وافترا سے کام لیا گیا' وسوسہ کاریاں ہوئیں' اور ان کی طرف سے جن کو اپنا سمجھا جاتا ہے' تو لازماً" جذبات میں کھولاؤ پیدا ہوا' اور چند اہلِ قلم نے اپنے قلم اٹھا لیے۔ کیوں کہ نظمِ جماعت کا دفاع ہر رکن کا فرض ہے' اس لیے ان کے اس فعل پر فی نفسہ کوئی اعتراض تو نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن بعض جگہ ان کا قلم حدِ اعتدال سے تجاوز کر گیا۔ ہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سلسلے میں بھی مناسب نصیحت و تذکیر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس ضمن میں قرآن مجید کی اس نوعیت کی چند ہدایات تو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئیں کہ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ "تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو"۔ (حٰم السجدہ ۴۱ : ۳۴) وَاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا "اور جاہل ان کے منہ آئیں تو کہہ دیتے ہیں کہ تم کو سلام"۔ (الفرقان ۲۵:۶۳) ۔ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰھِلِیْنَ "اے نبیؐ! نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کیے جاؤ، اور جاہلوں سے نہ الجھو" (الاعراف ۷: ۱۹۹)۔ خصوصاً جس اخلاقی فضیلت کی تعلیم درج ذیل حدیث میں دی گئی ہے، اس کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہیے۔ بعض صورتوں میں اپنا دفاع ضروری ہوتا ہے، لیکن بالعموم یہ کام اللہ اور اس کے فرشتوں پر چھوڑ کر خاموشی اختیار کرنا انجامِ کار کے لحاظ سے زیادہ مفید ہوتا ہے۔ موجودہ صورتحال میں بھی ہماری رائے میں خاموشی کی روش ہی زیادہ انفع اور احسن ہوتی۔

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکرؓ کو برا بھلا کہا۔ حضورؐ اس کے برا کہنے کو سنتے رہے، تعجب کرتے رہے، اور مسکراتے رہے۔ جب وہ شخص برا بھلا کہتا ہی چلا گیا، تو حضرت ابوبکرؓ نے اس کی بعض باتوں کا جواب دیا۔ اس پر نبیؐ کو غصہ آگیا، اور آپؐ اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے پیچھے پیچھے گئے، اور کہا، یارسولؐ اللہ وہ شخص مجھے برا بھلا کہہ رہا تھا اور آپؐ تشریف فرما تھے۔ جب میں نے اس کی بعض باتوں کا جواب دیا تو آپؐ غصہ ہوگئے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضورؐ نے فرمایا، تمہارے ساتھ ایک فرشتہ تھا جو اس کو جواب دے رہا تھا۔ جب تم نے خود اس کو جواب دینا شروع کر دیا، تو شیطان بیچ میں کود پڑا۔ پھر آپؐ نے یہ بھی فرمایا، جس بندہ پر ظلم کیا جائے اور وہ صرف اللہ کی رضا کی خاطر خاموش رہے، اللہ اس کی زبردست مدد کرتا ہے (احمد، ابوداؤد، مشکوٰۃ)

دوسری بات یہ ہے کہ اگر جواب دینا ناگزیر ہی سمجھا جائے تو قرآن مجید کے ان تین احکام کی پابندی ضروری ہے:

۱- وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی (الانعام ۶:۱۵۲)

"اور جب بات کہو انصاف کی کہو، خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو۔"

۲- وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِہٖ (النحل ۱۶: ۱۲۶)

"اور اگر تم لوگ بدلہ لو تو بس اسی قدر لے لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہو"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳ - وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ

(الشوریٰ ۴۲:۴۰)

"برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے' پھر جو کوئی معاف کردے اور اصلاح کرے' اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔"

انصاف کی اس پل صراط پر قائم رہنا کتنا دشوار ہے' اس کا اندازہ ایک واقعہ سے کیجیے:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی آپؐ کے سامنے بیٹھ گئے' اور عرض کی: "میرے چند غلام ہیں' جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں' میرے ساتھ خیانت کرتے ہیں' اور میری نافرمانی کرتے ہیں۔ میں بھی انھیں مارلیتا ہوں اور برا بھلا کہتا ہوں۔ ان کے ساتھ میرے اس معاملہ کا کیا بنے گا؟" رسولؐ اللہ نے اس سے کہا: "اتنی سزا دو جس قدر وہ تمھارے ساتھ خیانت کریں' تمھاری نافرمانی کریں' اور تم سے جھوٹ بولیں۔ اگر ان کے لیے تمھاری سزا ان کے گناہوں سے کم ہوئی تو تمھارا مزید حق باقی رہے گا۔ اگر تمھاری سزا ان کے گناہوں کے برابر ہوئی' تو معاملہ برابر برابر ہوجائے گا۔ لیکن اگر تمھاری سزا ان کے گناہوں سے بڑھ گئی' تو ان کے لیے تم سے اس زیادتی کا قصاص لیا جائے گا جو تمھاری طرف سے ہوگی۔" وہ صاحب یہ سنتے ہی رسولؐ اللہ کے سامنے ہی رونے اور چیخنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا: "اس کو کیا ہوگیا؟ یہ اللہ کی کتاب نہیں پڑھتا! ـــــ قیامت کے روز ہم ٹھیک ٹھیک تولنے والی ترازو رکھ دیں گے' پھر کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا ـــــ جس کا رائی کے دانے کے برابر بھی کیا دھرا ہوگا وہ ہم سامنے لے آئیں گے اور حساب لگانے کیلئے ہم کافی ہیں (الانبیاء ۲۱ : ۴۷) ان صاحبؓ نے عرض کی "یارسولؐ اللہ" پھر تو میں اس سے بہتر کوئی صورت نہیں دیکھتا کہ اپنے غلاموں سے جدا ہوجاؤں۔ آپ گواہ رہیے' یہ سب آزاد ہیں۔" (الفتح الربانی الترتیب مسند احمد)

جماعت کے اندر بھی ہماری روش کی سوئی اس مقام پر نہ رہی جو اللہ اور اس کے رسولؐ اور نظامِ جماعت نے طے کردیا ہے۔ "ہماری" کا لفظ ہم نے اس لیے استعمال کیا ہے کہ ایک ساتھی غلطی کرے' کسی ایک پر الزام لگایا جائے' تو کسی نہ کسی طرح سب اس میں شریک ہوجاتے ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید نے وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ "آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(الحجرات ۴۹ : ۱۱)' اور لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا "جس وقت تم لوگوں نے اسے سنا تھا' اسی وقت کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے آپ سے نیک گمان کیا"۔ (النور ۲۴ : ۱۲) میں "انفس" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اختلاف کرنا آپ کا حق ہے۔ آپ کسی پالیسی' تدبیر یا اقدام کو غلط یا مُضر بھی سمجھ سکتے ہیں۔ کسی شخص کو پسند یا ناپسند کرنے کا بھی آپ کو اختیار ہے۔ اسے کسی منصب کے لیے کم اہل' کم قابلِ اعتماد' یا بالکل نااہل اور ناقابلِ اعتماد سمجھنے کا بھی آپ کو حق ہے۔ لیکن جب تک آپ نے دستور کی پابندی کا حلف اٹھا رکھا ہے' کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف ارکانِ جماعت یا دیگر وابستگانِ جماعت سے گفتگوئیں کرنا' تقریریں کرنا' ملک کے طول و عرض میں بھاگ دوڑ کرنا' صریحاً" نقضِ میثاق ہے۔ جس سے بھی اس غلطی کا ارتکاب ہوا اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ استغفار اور توبہ کرے۔ جماعت کے علم میں وہ آئے یا نہ آئے' وہ اس کا نوٹس لے یا نہ لے' وہ کوئی کارروائی کرے یا نہ کرے' آپ کا اصل معاملہ اپنے رب کے ساتھ ہے' اور وہ معاملہ آخرت کا معاملہ ہے' جہاں کوئی راز' راز نہ رہے گا' اور جہاں کا انجام ابدی اور لازوال ہے۔

سارے فتنوں اور فساد کی جڑ کیا ہے ؟ سوئے ظن' بغیر ثبوت الزامات لگانا اور بلا تحقیق الزامات پر یقین کرلینا' ان کو دل میں ڈال لینا اور آگے بلا جھجک بیان کردینا' اور غیبت۔ جہاں بھی آپ کریدیں گے' تحقیق کریں گے' بنیاد میں یہی خرابیاں ملیں گی۔ حالانکہ بدظنی کو حرام کیا گیا ہے' ہر سنی سنائی بات کو آگے نقل کرنے والے کو جھوٹا قرار دیا گیا ہے' اور غیبت کو' جو مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے کے برابر ہے' زنا سے بدتر جرم کہا گیا ہے۔ بغیر ثبوت الزام لگا دینے کو آپ نے بہت ہلکا کام سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ اس کی سنگینی اس درجہ کی ہے کہ اگر تین آدمی کسی کو اپنی آنکھ سے زنا کرتے دیکھیں تو بھی وہ اس کا یہ فعل دوسروں کے سامنے بیان نہیں کرسکتے جب تک چوتھا گواہ نہ ہو' جو ثبوت کے لیے ضروری ہے۔ ورنہ ان کے لیے ۸۰ ' ۸۰ کوڑوں کی سزا ہے۔ یہ سارے احکام اس لیے ہیں کہ مسلمان بھائی کی عزت بھی اسی طرح حرام ہے جس طرح اس کا خون اور اس کا مال' اور عزت کی حرمت ان احکام کی پابندی کے بغیر ممکن نہیں۔

اس پورے دورِ انتخاب میں باہر سے زیادہ اندر بے شمار باتیں کہی گئیں' الزامات لگائے گئے' اور ان کو پھیلایا گیا' حالانکہ وہ صریحاً" غلط تھے' اور کہنے والے ان کو کسی طرح بھی ثابت نہ کرسکتے تھے۔ سننے والے بھی "اپنے" بارے میں حسنِ ظن سے کام لینے یا کہنے والے سے ثبوت مانگنے کے بجائے ملزم سے اپنی بے گناہی کا ثبوت طلب کرتے' یا ان الزامات کو اور آگے پھیلاتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے۔

کہا گیا کہ امیر جماعت دستور میں طے کردہ طریقِ کار کے برخلاف' جمہوری اور آئینی طریقوں سے اصلاح و انقلاب کا کام کرنے کے بجائے' اسلحہ' قوت اور تشدد کے ذرائع سے انقلاب لانا چاہتے ہیں' اور یہ ذرائع استعمال کر رہے ہیں۔ کاروانِ دعوت و محبت میں اسلحہ تقسیم کیا گیا' انسدادِ منکرات و فواحش کے لیے تشدد کرنے کی ہدایت کی گئی' مسلح رضا کاروں کی فوج منظم کرنے کا اعلان کیا گیا' پاسبان' فوج کے کہنے سے بنائی گئی ہے اور اسے ایم کیو ایم کی طرح ایک اسلحہ بردار اور دہشت گرد گروہ بنایا جارہا ہے۔ یہ باتیں نجی گفتگوؤں میں صراحتاً کہی گئیں' اور تقاریر میں صاف صاف کنایوں میں۔ ان میں سے کسی ایک بات کا بھی صداقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ امیرِ جماعت نے ایسی کوئی بات کبھی نہیں کہی۔ دفاعِ وطن کے لیے رضاکاروں کو منظم کرنے میں "مسلح" کا کوئی ذکر نہ تھا۔ انسدادِ منکرات کے لیے قوت کے استعمال کا ذکر اسی طرح تھا جس طرح قراردادِ ماچھی گوٹھ میں کہا گیا تھا کہ "نیکی اور شرافت اب انتشار' پست ہمتی' بزدلی اور کمزوری کے ہم معنی ہو کر رہ گئی ہے۔ اس صورتِ حال کو پھر سے بدلنا ہے اور نیکی اور شرافت کو منظم' بے باک اور نڈر بنا کر اسے معاشرے کے ہر گوشے میں حکمراں طاقت کی حیثیت دینا ہے۔" پاسبان نے آج تک ظلم کے خلاف اپنے کسی احتجاج میں اسلحہ کا استعمال تو کجا' کوئی قانون شکنی بھی نہیں کی۔ یہ الزام لگاتے لگاتے بعض لوگ اتنی دور چلے گئے کہ انھوں نے جہادِ افغانستان میں شرکت کو بھی دہشت گردی اور اسلحہ کے ذریعہ انقلاب کے زمرہ میں شامل کردیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ الزام بھی لگایا گیا کہ بعض مرکزی ذمہ دارانِ جماعت' چہرہ کے پردے کے قائل نہیں ہیں' حلقہ خواتین اور جمعیتِ طالبات سے چہرہ کا پردہ ختم کرادینا چاہتے ہیں اور مخلوط مجالس کو رواج دینا چاہتے ہیں۔ ان میں سے ہر بات اپنی جگہ پر بالکل بے بنیاد ہے۔ اگرچہ چہرہ کے پردہ کا مسئلہ اختلافی ہے' اور اس کا قائل نہ ہونا کوئی گناہ نہیں' لیکن ہمارے علم میں کوئی ایسا مرکزی ذمہ دار نہیں جو اس کا قائل نہ ہو' اور اس کے اہلِ خانہ اس پر عامل نہ ہوں۔ زیادہ سے زیادہ اگر کوئی بات کہی گئی اور صحیح کہی گئی' تو وہ اتنی کہ عورتوں کی جو بہت بڑی تعداد چہرہ کا پردہ نہیں کرتی لیکن دین کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور اصلاح و انقلاب کا کام کر سکتی ہے' اسے بھی اپنے ساتھ لے کر چلنے کی تدابیر پر غور کرنا ضروری ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ شریعت ایکٹ کو پاس کرنے میں شرکت کر کے کفر بواح کا ارتکاب کیا گیا'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جنگِ خلیج کے مسئلے پر شوریٰ کی طے کردہ پالیسی کی خلاف ورزی کی گئی' صوبہ پنجاب کی امارت کے مسئلے پر دستور کی خلاف ورزی کی گئی' اور کاروانِ دعوت و محبت نکالنے کے لیے دستوری طور پر شوریٰ سے مشورہ کرنا ضروری تھا جو نہیں کیا گیا ----- اس قسم کے سارے محاسبے شوریٰ کے سامنے پیش کیے جاچکے ہیں' ان پر تفصیلی بحثیں ہوچکی ہیں' شوریٰ ان کے بارے میں وہ فیصلے کرچکی ہے جو اس کے نزدیک صحیح تھے۔ ممکن ہے شوریٰ کے فیصلے غلط ہوں' لیکن اختلافی مسائل' وہ استنباط کے زمرہ میں آتے ہوں یا تدابیر و مصالح کے' اس کے علاوہ انہیں حل کرنے کا اور کیا طریقہ ہوسکتا ہے کہ کسی ادارہ کے فیصلے کو حتمی اور آخری تسلیم کیا جائے' اور اس کے بعد اس پر سکوت اختیار کیا جائے۔ محترم نعیم صدیقی کے الفاظ میں مشاورت "کے بعد اور کوئی طریقہ حل اختلافات موجود نہیں ہے۔ یہاں آکر تمام بحثوں کو ختم ہوجانا چاہیے" اور "چند افراد خود یا زیادہ وسیع حلقے کے اجماع تام یا اجماع ناقص کے سامنے سرتسلیم خم کردیں۔ نہ کریں تو پھر کوئی حل نہیں۔ آگے افتراق ہی افتراق اور فساد ہی فساد ہے"۔ اور اس دور میں اسی وجہ سے افتراق اور فساد ہوا۔

مناصب کی تبدیلی کے ضمن میں آمریت اور غیرفطری طریقے اختیار کرنے کی بات بھی کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں یہ امر بالکل فراموش کردیا جاتا ہے کہ جماعت کا نظام وحدانی ہے' اس میں منتخب امیر ایک ہی ہے' اور وہ امیرِ جماعتِ اسلامی پاکستان ہے۔ اس کے تحت ہر امیر کی حیثیت امیرِ جماعت کے نمائندے کی ہے' اور وہ اس کے اور دیگر امرائے بالا کے سامنے جوابدہ ہے' نہ کہ اپنی جماعت کے ارکان کے سامنے۔ اس کا عزل و نصب امیرِ جماعت کے اختیار میں ہے' جس کے لیے وہ بالا تر امرا سے مشورہ کرنے کا' جماعتی مصالح ملحوظ رکھنے کا' اور متعلقہ ارکان کی رائے کو بھی زیادہ سے زیادہ ملحوظ رکھنے کا پابند ہے۔ یہ تجویز بار بار آتی رہی ہے کہ سارے مناصب کو منتخب مناصب بنا دیا جائے۔ لیکن مجلس شوریٰ نے ہر بار اس تجویز کو اس لیے رد کردیا ہے کہ جماعتی نظام وحدانی ہے' اور اس طرح ایک جماعت میں کئی جماعتیں بن سکتی ہیں۔

اب اگر یہ سمجھا جائے کہ امیرِ جماعت اس بات کا پابند ہے کہ ہمیشہ' اُسی کو ماتحت منصب پر مقرر کرے' جس کے حق میں استصواب میں سب سے زیادہ آراء آئیں' تو اس کا دستوری اختیارِ عزل و نصب ایک بے معنی اختیار ہے' اور جماعتی مصالح ملحوظ رکھنے اور بالاتر امرا سے مشورے کی دستوری دفعات بھی بے معنی ہیں۔ اس لحاظ سے اگر امیرِ جماعت کسی ماتحت منصب پر کسی ایسے فرد کو امیر یا ناظم مقرر کرے جو دوسرے یا تیسرے نمبر پر ہو' اور اسے مداخلت قرار دے کر اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے خلاف پراپیگنڈہ کیا جائے' تو نہ صرف اس کا کوئی جواز نہیں' بلکہ اس پر استغفار ضروری ہے۔

پھر اگر امیر جماعت کسی ماتحت منصب میں جماعتی مصالح کے لحاظ سے کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس کرے' تو دستور کی رو سے اس کا اولین فریضہ کیا ہے؟ یہ کہ وہ استصواب کر کے ارکان کی رائے معلوم کرے تاکہ وہ اس رائے کو زیادہ سے زیادہ ملحوظ رکھنے کا دستوری تقاضا پورا کر سکے۔ وہ کسی ایک فرد کے لیے بھی استصواب کرا سکتا ہے' وہ بیلٹ پر اس فرد کے نام کا اضافہ بھی کرنے کا حکم دے سکتا ہے' جس کے بارے میں وہ ارکان کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اگر وہ یہ سب کچھ نہیں کرتا' بلکہ صرف متعلقہ شوریٰ سے یہ کہتا ہے کہ وہ بیلٹ پر نام ڈالنے سے پہلے اس کے مجوزہ نام یا ناموں پر بھی غور کرے' تو اس پر مداخلت' آمریت اور دستور کی خلاف ورزی کا شور و غوغا اٹھانے کا کیا جواز ہے؟ جبکہ نظیر' یہ بھی موجود ہے کہ اگر مرکزی نظم نے تین میں سے کسی ایک نام کو موزوں نہ پایا' تو اس نے استصواب ہی ملتوی کر دیا۔ کیا امیرِ جماعت عزل و نصب کے اپنے اختیار سے دست بردار ہو جائے' یا ارکان کی رائے معلوم کیے اور ملحوظ رکھے بغیر صرف اپنی صوابدید سے امیر مقرر کر دے؟

یہ بھی کہا گیا کہ اب روایت شکنی کر کے امیر پہلے مقرر کر دیا جاتا ہے' اور استصواب بعد میں ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ روایت تو بہت پرانی ہے۔ ہمارے علم کی حد تک تو اب تک صوبہ پنجاب کا کوئی امیر ایسا نہیں ہوا ہے جسے مقرر پہلے نہ کیا گیا ہو' اور اس کے لیے استصواب بعد میں نہ کرایا گیا ہو۔ اسی طرح جب مغربی پاکستان کا صوبائی نظام بنا تو امیر پہلے مقرر ہوا' استصواب بعد میں ہوا۔ حتیٰ کہ سیّد مودودیؒ کے بعد جب امیرِ جماعت کا انتخاب ہوا' تو اس سے پہلے قائم مقام امیرِ جماعت کا تقرر ہو چکا تھا۔ اس طریقِ کار میں آخر کیا چیز آمرانہ یا غیر فطری ہے؟

یہاں ایک بات اور بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ہر ماتحت منصب کے حامل کو' امیرِ جماعت کا نمائندہ ہونے کے باوجود' اس بات کا پورا حق ہے کہ وہ اس پر' مقررہ مجالس میں یا بالمشافہ گفتگو میں' تنقید کرے' اس کا احتساب کرے' اس سے اختلاف کرے' اس سے وضاحت طلب کرے' بلکہ ایسا کرنا اس کا فریضہ ہے۔ لیکن اگر کوئی سمجھے کہ امیرِ جماعت' جماعت کو غلط رخ پر لے جا رہا ہے' دستور کی خلاف ورزی کر رہا ہے' آمریت کی روش پر گامزن ہے' پھر وہ کسی مجلس یا بالمشافہ گفتگو میں تو کوئی اختلاف و احتساب نہ کرے' مگر نجی گفتگوؤں میں "جماعت بچاؤ" کی مہم چلائے' جگہ جگہ اس پر تنقید کرتا پھرے' تو ایسا کرنے کی نہ کوئی دینی گنجائش ہے اور نہ اخلاقی' اور امیر جماعت کے نمائندے کے طور پر تو اس کی [illegible] کے بھی خلاف ہوگا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاسبان کے سلسلے میں بھی بہت ساری باتیں کہی گئی ہیں۔ جہاں تک اس قسم کے بے بنیاد الزامات کا تعلق ہے کہ یہ "غنڈوں کی جماعت ہے" یا "سی آئی اے نے بنوائی ہے" یا "وہ اسلحہ کے بل پر لاکھوں روپے وصول کررہی ہے" تو ان امور کا فیصلہ ہم احکم الحاکمین پر چھوڑتے ہیں۔ وہاں ہر شخص الزام لگانے والے کا دامن پکڑ سکتا ہے کہ میرے اوپر اپنا الزام ثابت کرو۔ لیکن ہم پاسبان کے بارے میں تنظیمی فیصلہ کی حیثیت ضرور واضح کرنا چاہتے ہیں۔

مرکزی مجلسِ عاملہ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۰ میں ایک کمیٹی اس غرض کے لیے بنائی کہ جماعت کے گردِ متحرک افراد کا دائرہ کس طرح وسیع کیا جائے۔ اس کمیٹی میں صوبہ بلوچستان کے امیر، صوبہ سرحد و پنجاب کے قیمین، حلقہ ہائے کراچی و سکھر کے امرا بھی شامل تھے۔ اس کمیٹی نے تمام متعلقہ افراد کو ایک سوالنامہ جاری کیا۔ پھر اس نے اپنی پہلی رپورٹ میں "پاسبان" قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔ یہ رپورٹ، مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۱۱ تا ۱۴ دسمبر سے پہلے، عاملہ کے اجلاس میں پیش ہوئی جس نے اسے مجلسِ شوریٰ کے سامنے پیش کرنے کی منظوری دے دی۔ مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں یہ تجویز پیش کی گئی، اور اس پر تفصیل سے ایک وقت تک بحث بھی ہوئی۔ اس کے بعد مجلسِ شوریٰ نے "پاسبان" قائم کرنے کی منظوری دی، جس کو شوریٰ کی کارروائی میں ریکارڈ کیا گیا، اور جس کی شوریٰ کے اگلے اجلاس میں توثیق کی گئی۔ ایک سال گزرنے کے بعد پاسبان کے سال بھر کے کام کی رپورٹ، پہلے عاملہ کے اجلاس میں، اور اس کے بعد شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۱۷ تا ۲۰ دسمبر ۱۹۹۱ میں پیش کی گئی۔ مجلس شوریٰ نے اس رپورٹ کی توثیق کی، اور پاسبان کی رہنمائی اور نگرانی کے لیے ایک کمیٹی بھی بنا دی۔

پاسبان کے خیال اور کارکردگی سے اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ پاسبان کی کارکردگی پر عدم اطمینان ہوسکتا ہے۔ پاسبان نے غلطیاں بھی کی ہیں۔ لیکن یہ کہنا کہ مجلسِ شوریٰ نے پاسبان بنانے کا فیصلہ ہی نہیں کیا، ضد اور ہٹ دھرمی کے علاوہ کیا ہوسکتا ہے؟ اس پر مزید یہ سوال اٹھانا کہ یہ فیصلہ کس ماحول میں کس طرح ہوا تو ایک بہت خطرناک عمل ہے۔ پھر تو ماچھی گوٹھ سے لے کر آج تک کے، اور اس سے پہلے کے کئی اہم فیصلوں کے بارے میں بھی یہ سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ صرف یہی نہ دیکھا جائے کہ فیصلہ ہوا، بلکہ یہ بھی دیکھا جائے کہ وہ کس ماحول میں ہوا۔ ورنہ اسے شوریٰ کا فیصلہ تسلیم کرنے سے انکار کردیا جائے گا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اب جب کہ ارکانِ جماعت، امیرِ جماعت کا انتخاب کرچکے ہیں، ہمیں ان ساری بحثوں کو ختم کردینا چاہیے، اور یکسو ہوکر جماعت اور تحریک کا کام آگے بڑھانے میں لگ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جانا چاہیے۔ ہمیں یہ بھی طے کرلینا چاہیے کہ ہم اپنے اختلافات کو دستوری طریقوں اور دستوری اداروں ہی میں حل کرنے کی کوشش کریں گے' اور ان کے اظہار کو دستوری حدود کے اندر رکھیں گے۔ باہمی محبت' حسنِ ظن' اعتماد اور تعاون کے ساتھ جماعت کو چلائیں گے۔ اس کے علاوہ صلاح و خیر کی اور کوئی راہ نہیں۔

دستور کے تحت جماعتِ اسلامی پاکستان کے امیر پر نظمِ جماعت اور تحریک دونوں کو چلانے کی آخری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے اس مرحلہ پر جب وہ مزید پانچ سال کے لیے امارت کا منصب سنبھال رہے ہیں' چند امور ان کے اور ہم سب کے سامنے رہنا ضروری ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ دنیا کی تاریخ جس موڑ پر کھڑی ہے' امتِ مسلمہ کو جو سنگین چیلنج درپیش ہے' اور ہمارا ملکِ عزیز خطرہ کے جس دہانہ پر کھڑا ہے' اس کا تقاضا ہے کہ ہم اصلاح و انقلاب کے لیے اپنی مساعی تیز سے تیز تر کردیں' اور جلدی سے جلدی' جتنی عجلت سے ممکن ہو' اپنی منزل تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ اس فکر میں کہ سب ہماری دعوت قبول کرلیں' سب ہمارا ساتھ دیں' اور نصرت و فتح جلد از جلد ہمارا مقدر بنے' ہمارا دم گھٹنے لگے' یہ اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔ ہاں' جو عجلت اس کو ناپسند ہے یہ وہ عجلت ہے جس کی وجہ سے ہم اپنی مساعی کو بار آور نہ ہوتے دیکھ کر اپنی قوم کو ہی کوسنے بیٹھ جائیں یا اس کی تباہی و ہلاکت کی دعا کرنے لگیں۔ یا وہ عجلت جس کی وجہ سے ہم اپنے بنیادی اصولوں میں تغیر و تبدل اور حذف و اضافہ پر آمادہ ہونے لگیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے طے کردہ طریقِ کار کا منطقی تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے اس معاشرہ سے قوت کی وہ آخری رمق بھی حاصل کرلیں جو نظامِ فساد و ظلم کو ختم کرنے اور نظامِ صلاح و خیر کو قائم کرنے کے کام آسکے۔ سب لوگ ایک معیار پر نہیں آسکتے۔ بگڑے ہوئے معاشروں سے ہی وہ قوت حاصل کرنا ہوگی جو اس معاشرہ کو سدھار دے۔ اس قوت میں السابقون السابقون بھی ہوں گے اور اصحاب الیمین بھی۔ اس میں سابق بالخیرات بھی ہوں گے اور مقتصد بھی۔ ان سب کو للّٰہیت' مقصد کے عشق اور باہمی اخوت و محبت کے سیمنٹ سے جوڑ کر ہی وہ بنیان مرصوص تیار ہوگی جو اللہ کے راستے میں جہاد کرے گی' اور جو اللہ کو محبوب ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ تیزی سے بدلتے ہوئے زمانے میں' سرعت کے ساتھ رونما ہونے والے تغیرات کے دور میں' جیٹ اور ڈش انٹینا کے ذریعے سکڑتے ہوئے فاصلوں کی دنیا میں' ہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو اس زبردست مجتہدانہ صلاحیت کا مظاہرہ کرنا ہوگا' جس کا ذکر سیّد مودودیؒ برابر کرتے رہے' اور جس کے بغیر نہ امامتِ عالم حاصل ہو سکتی ہے' نہ ایک تہذیب کی تعمیر ممکن ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ جہاں عوامی قوت' انقلاب کے لیے ناگزیر ہے' وہاں انقلاب کے مقاصد کے حصول کے لیے رجالِ کار بھی درکار ہیں' ایسے رجالِ کار جو ایک طرف مرجع خلائق ہوں اور عوام کو سنبھالنے کی صلاحیت رکھتے ہوں' تو دوسری طرف ایک نئی تہذیب وتمدن کے معمار بھی بن سکتے ہوں۔

پانچویں بات یہ ہے کہ ایک طرف عوام کو جمع کرنا اور متحرک کرنا بھی ضروری ہے' دوسری طرف وسیع پیمانے پر ان کی دینی اور اخلاقی تربیت کو عام کرنا بھی ناگزیر ہے۔ دینی اور اخلاقی طور پر کمزور معاشرے دین و شریعت کی عمارت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔

چھٹی بات یہ ہے کہ گزشتہ ۵۰ سال میں کئی نسلوں نے اپنی لگن' صلاحیت اور محنت سے' کتاب و سنت کی اطاعت اور روایات کے قیام سے' جماعتِ اسلامی کا جو قیمتی اثاثہ ہمیں منتقل کیا ہے' ہم اسے اور زیادہ طاقتور' جان دار اور متحرک بنائیں۔ اس لیے کہ بالآخر ہم جو کچھ قوت جمع کریں گے' اور جو کام کریں گے' وہ کسی نام سے ہو' کسی انداز میں ہو' کسی تدبیر سے ہو' اس کی بنیاد تو جماعتِ اسلامی ہی رہے گی۔ اشخاص و روایات' کتاب و سنت نہیں اور نہ وہ معیارِ حق ہیں' لیکن وہ کسی بھی اجتماعیت کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت ہیں۔ روایات اور تدابیر پہلے بھی بدلتی رہی ہیں' اور آئندہ بھی بدلیں گی۔ لیکن ہر تبدیلی کی پشت پر غور و فکر' اجتہاد اور زیادہ سے زیادہ اتفاق ضروری ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے ساتھ جوڑے' صرف اپنا بن کر رہنے کی توفیق دے' صحیح تہذیبی و تاریخی ادراک عطا کرے' اور تاریخِ عالم کے اس موڑ پر اپنا فریضہ صحیح صحیح انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

© rasailojaraid.com